پانچویں قسط

قادیانیوں کا صد سالہ جشن......حقیقت کے آئینے میں

پروفیسر خالد شبیر احمد

اِدھر مسلمان کی یہ حالت تھی (جو کہ گزشتہ قسط میں بیان کر دی گئی ہے) اُدھر قادیانیوں کے سربراہ مرزا بشیرالدین محمود عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ مل کر اپنی پوری جماعت کو ساتھ لیے انتہائی محنت سے خلافِ اسلام سازشوں میں مصروف عمل تھے۔ انھی قادیانی سرگرمیوں کی وجہ سے سلطنتِ عثمانیہ کی بربادی پر موجودہ یہودی ریاست اسرائیل معرضِ وجود میں آئی جو مسلمانانِ عالم کے لیے آج سوہانِ روح بنی ہوئی ہے، جس یہودی ریاست کی آنکھوں میں ''پاکستان'' سب سے زیادہ کھٹکتا ہے۔ اس لیے کہ اس یہودی ریاست کو اس پر بات یقین ہے کہ یہی وہ سرزمین ہے جہاں سے ایک دن Pan Islamis ''اتحاد بین المسلمین'' کی تحریک ابھرے گی جو تمام خلافِ اسلام طاقتوں کو جس میں خود قادیانیوں کی طاقت بھی شامل ہے، نیست و نابود کر کے دنیا میں پھر سے عظمتِ اسلام کا پرچم بلند کر دے گی۔ اسی پس منظر میں قادیانیت کا اہم ترین پہلو (استعماری قوت) بھی ابھر کر سامنے آتا ہے اور یہ احساس اجاگر ہوتا ہے کہ مسلمانانِ عالم میں جس قدر یہ فتنۂ قادیانیت قابلِ مذمت ہے اس سے کہیں بڑھ کر یہی فتنۂ قادیانیت دنیا کی غیر مسلم طاقتوں کے لیے جن میں عیسائی، یہودی اور بھارتی سرِ فہرست ہیں کے لیے ایک اہم ضرورت بھی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ سب خلافِ اسلام طاقتیں قادیانیوں کا اس قوت کو ہر حال میں برقرار رکھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں، لیکن امتِ مسلمہ نے بھی یہ تہیہ کر رکھا ہے:

کہو ناخدا سے کہ لنگر اُٹھا دے
میں طوفاں کی ضد دیکھنا چاہتا ہوں

''قادیان سے اسرائیل تک'' کے مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر قادیانی اسرائیل گٹھ جوڑ کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''مرزا غلام احمد کی تحریک کی ابتداء اور اس کے مزاج اور اس کی حقیقی غرض و غایت سے شناسائی حاصل کرنے کے لیے ہمیں ایک تو برطانوی سامراج کی سیاسی پالیسی پر نظر رکھنی ہوگی۔ دوسرے یہودی تحریک قومیت صیہونیت ۱۸۹۷ء کے رہنماؤں اور انگریزوں کے بڑھتے ہوئے روابط کا جائزہ لینا ہوگا۔ اس پس منظر میں قادیانی تحریک کے کردار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی سول سروس کے یہودی افسر اس تحریک کی کامیابی کے لیے ہر سطح پر کوشاں تھے۔ دراصل ایسی تحریک کے قیام اور اس کی

سرپرستی کے لیے بے تاب تھے جو برطانوی سامراج کے توسیع پسندانہ اغراض اور صہیونیت کے سیاسی عزائم کے دوہرے مقصد کو پورا کرنے کی اہل ہو، ان دونوں طاقتوں کا بڑا نشانہ ترکی کی عظیم سلطنت تھی جس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہی علاقائی توسیع پسندی اور فلسطین میں یہودی ریاست کا خواب پورا کیا جا سکتا تھا۔''

اُدھر مسلمانوں کے خلاف یہ سازشیں جاری تھیں ادھر اسلامیان عالم خصوصاً ہندوستان میں مجاہدین آزادی انگریزی تسلط کے خلاف نبرد آزما تھے۔۱۸۶۳ء میں سید احمد شہیدؒ کے پیروکاروں نے امبیلا (سرحد) کے مقام پر برطانوی فوج کے ساتھ جنگ کر کے انگریزوں سے اپنی جرأت کا لوہا منوالیا۔۱۸۶۳ء سے ۱۸۷۱ء تک ہندوستان کے مجاہدین اسلام نے پورے ہندوستان کے اندر اپنے لہو سے آزادی کی آبیاری کر کے انگریزوں پر ثابت کر دیا کہ وہ کسی طور پر ان کی غلامی کو قبول نہیں کریں گے۔ انبالہ، پٹنہ، مالدہ اور راج محل کے مقدمات کے دوران مجاہدین اسلام کا جوش وخروش قابل دیدنی تھا۔ مجاہدین کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزائیں سنائی گئیں۔ غرضیکہ تحریک آزادی کو دبانے کے لیے انیسویں صدی میں سامراجی طاقتوں کے نوآبادی عزائم اور استعماری سازشوں کی خونچکاں داستان کئی ابواب پر مشتمل ہے۔ دوسری طرف جذبۂ جہاد انگریزی سامراج کے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔ جذبۂ جہاد کے مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے ہی ۱۸۶۹ء میں وائسرائے ہند لارڈ میو (Mayo) نے بنگال کے سول سروس کے ایک افسر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کو اس اہم سوال کا جائزہ لینے کے لیے رپورٹ پیش کرنے کو کہا۔ مسٹر ہنٹر نے بڑی محنت کے ساتھ مسلمانوں کے دینی عقائد خصوصاً جہاد، اس کے محرکات، خطرات اور اس کے مضمرات کا جائزہ لیا۔ جس کے بعد اس نے ۱۸۷۱ء میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ اس رپورٹ میں یہ ثابت کیا گیا کہ ''مسلمان اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں کہ کافر حکومت کے خلاف جہاد کریں اور ملک کو ان سے نجات دلائیں۔'' اس نے اس رپورٹ میں مزید تحریر کیا کہ ''جہاد کا ہی وہ نظریہ ہے جو ان کے شدید جوش، تعصب، تشدد اور قربانی کی خواہش کی بنیاد ہے اور اس قسم کے عقیدے انھیں ہمیشہ حکومت کے خلاف متحد رکھ سکتے ہیں۔''

برطانوی وفد کی رپورٹ:

انگریز ایک ایسی تحریک برپا کرنا چاہتے تھے جس کے ذریعے ان کے سیاسی عزائم کی تکمیل ہو لیکن اس کے راستے میں مسلمانوں کا جذبۂ جہاد ایک بہت بڑی رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ اسی جذبۂ جہاد پر غور وفکر کرنے کے لیے ۱۸۶۹ء میں انگلستان سے برطانوی مدبّروں، اعلیٰ سیاست دانوں، ممبرانِ پارلیمنٹ اور مسیحی رہنماؤں پر مشتمل ایک وفد ان امور پر غور وفکر کرنے کے لیے ہندوستان آیا تاکہ معلوم کر سکیں کہ ۱۸۵۷ء کے جنگِ آزادی کے محرکات کیا تھے۔ مسلمانوں نے اس میں کیا کردار ادا کیا اور کیوں کیا؟ نیز ہندوستان کے مسلمانوں میں ایسی کونسی تحریک اٹھائی جائے جو اِن میں جذبۂ جہاد ختم کر کے رکھ دے اور انھیں مختلف حصوں میں تقسیم کر دے۔ تاکہ یہ اپنی ملّی وحدت سے کوئی مؤثر کام نہ لے سکیں اور اس طرح برطانوی سامراج کے سامنے پیدا شدہ خطرات کا سدِّ باب ہو سکے۔ اس کے بعد ۱۸۷۰ء میں لندن میں اسی وفد کے اراکین کی ایک اور کانفرنس ہوئی جس میں ہندوستان سے نمائندے بھی شامل ہوئے۔ اسی کانفرنس کے نتیجہ میں ''ہندوستان میں برطانوی

سلطنت کا ورود The Arival of British Empire in India شائع کی گئی جس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

''ملک ہندوستان کی آبادی کی اکثریت اندھا دھند اپنے پیروں یعنی روحانی رہنماؤں کی پیروی کرتی ہے۔ اگر اس مرحلہ پر ہم ایک ایسا آدمی تلاش کرنے میں کامیاب ہوجائیں جو اس بات کے لیے تیار ہو کر اپنے لیے ظلّی نبی (نبی کا حواری) ہونے کا اعلان کر دے تو لوگوں کی بڑی تعداد اس کے گرد جمع ہوجائے گی۔ لیکن اس مقصد کے لیے مسلمانوں کے عوام سے کسی شخص کو ترغیب دینا بہت مشکل بات ہے۔ اگر یہ مسئلہ حل ہوجائے تو ایسے شخص کی نبوت کو سرکاری سرپرستی میں پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔ ہم نے پہلے بھی غدّاروں کی مدد حاصل کرکے ہندوستانی حکومت کو محکوم بنایا۔ لیکن وہ مختلف مرحلہ تھا اس وقت فوجی نقطۂ نظر سے غدّاروں کی ضرورت تھی۔ لیکن اب جبکہ ہم نے ملک کے کونے کونے پر اقتدار جمالیا ہے اور ہر طرف امن و امان ہے ہمیں ایسے اقدامات کرنے چاہئیں جس سے ملک میں داخلی بے چینی پیدا ہو۔''

(مطبوعہ رپورٹ اقتباس انڈیا آفس لائبریری)

خلافِ اسلام سرگرمیاں:

ان تحریروں سے بات واضح ہوجاتی ہے کہ قادیانیت کا قیام کن مقاصد کے حصول کے لیے تھا اور مسلمانوں میں اس فتنے کو منظّم کرنے کی غرض و غایت کیا تھی۔ انہی تحریروں میں قادیانیوں کے لیے ''وہ گائیڈ لائن'' موجود ہے جس کی روشنی میں مرزا غلام احمد، اور اس کے بعد حکیم نور الدین نے خلافِ اسلام کارنامے سرانجام دیئے اور جب قادیان کے تخت پر مرزا بشیر الدین محمود جلوہ افروز ہوا تو اسی حکمت عملی کے تحت جو قادیانیوں کے اندر خون کی طرح سرایت کر چکی تھی، برطانوی سامراج اور یہودیوں کے مفاد کی خاطر ایک منظّم پروپیگنڈے کے ذریعے کام جاری رہا۔

سب سے پہلے تو قادیانیوں نے سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف ایک منظّم پروپیگنڈہ کیا اور عام مسلمانوں کو یہ تأثر دیا کہ یہ سلطنت اب تباہ و برباد ہونے والی ہے۔ قادیانیوں کی جانب سے ایک عربی رسالہ ''الدین الحی'' کا اجراء اسی غرض کے لیے تھا کہ عربوں کے درمیان بھی اسی تأثر کو عام کیا جائے، یعنی عربوں کو ترکوں کے خلاف اکسانے میں جو کردار شریف حسین مکہ اور لارنس آف عریبیہ سرانجام دے رہے تھے، اسی کردار کو قادیانی بھی سرانجام دے رہے تھے۔ جبکہ ہندوستان کے مسلمان ترکی کی سلطنت عثمانیہ کو بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ لیکن اس کے برعکس قادیانیوں کا یہ سربراہ کیا کر رہا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں۔ (تاریخ احمدیت جلد پنجم ص ۴۷۱ کا ایک اقتباس)

''جنگ میں انگریزوں کی مدد:

اگرچہ جماعتِ احمدیہ اپنے محدود ذرائع اور قلتِ تعداد کے لحاظ سے دوسرے مسلمانوں کے مقابل کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ تاہم اس نے بھی اپنی بساط کے مطابق اپنا فرض ادا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی۔ اپنے مقدس بانی کی تعلیم کے ماتحت ایک وفادار شہری کا پورا پورا حق ادا کیا اور حکومتِ وقت کی اپنی طاقت سے بڑھ کر جان و دل سے مدد پہنچائی اور سیدنا

خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی، انڈین امپیریل ریلیف فنڈ کے لیے مفصل اپیل فرمائی۔ جس پر قادیان سے بارہ سو روپے کے قریب چندہ ہوا۔ یہ سب امداد ایک اصول کے ماتحت تھی اور اگر انگریزوں کے سوا کسی اور کی حکومت ہوتی تو اس کے ساتھ بھی یہی وفاداری کا سلوک کیا جاتا، کیونکہ اسلام کی یہ تعلیم ہے جسے احمدیت نے بڑے زور کے ساتھ پیش کیا کہ حکومت وقت کے ساتھ خصوصاً ایسی حکومت کے ساتھ جس کے ذریعے ملک میں امن قائم ہو تعاون، وفاداری کا سلوک ہونا چاہیے۔ جماعت احمدیہ کے لیے سب سے بڑی قیمتی چیز ہی مذہب، اشاعت مذہب اور تبدیلیٔ مذہب کی آزادی ہے پس جو حکومت جماعتِ احمدیہ کو یہ چیز دیتی ہے خواہ وہ کوئی ہو اور کسی ملک میں ہو جماعت احمدیہ کو ہمیشہ مخلص اور وفادار پائے گی۔''

مصطفیٰ کمال پاشا کے قتل کا منصوبہ:

آغا شورش کاشمیریؒ اپنی کتاب ''تحریک ختم نبوت'' کے صفحہ ۲۷ پر رقمطراز ہیں۔

''پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ـ۱۹۱۸) میں عرب ریاستوں کے احوال و آثار اور اسرار و وقائع چوری کرنے کے لیے مرزا محمود نے اپنے پیرووں کی ایک کھیپ مہیا کی۔ ہندوستانی فوج کی ہر کمپنی کے ساتھ جاسوسی کے فرائض سرانجام دینے کے لیے ایک یا دو قادیانی منسلک کیے گئے۔ کئی ایک معتمد ترکی بھیجے گئے، جنھوں نے مقامی ملازمت کے پردے میں ''سکاٹ لینڈ یارڈ'' کی حسبِ ہدایت کام کیا۔ دمشق میں مرزا محمود کا سالا ولی الدین زین العابدین ترکوں کی پانچویں ڈویژن کے انچارج جمال پاشا کی معرفت ''قدس یونیورسٹی'' میں دینیات کا لیکچرر لگ گیا لیکن جس روز انگریزی فوج دمشق میں داخل ہوئی، وہ انگریزی کمانڈر کے ماتحت ہوگیا اور کئی ایک معتمد ترکوں کے قتل کرانے میں حصہ لیا۔ اُس کا چھوٹا بھائی میجر حبیب اللہ فوج میں ڈاکٹر تھا۔ اس کو بغداد فتح ہونے پر عارضی طور پر گورنر مقرر کیا گیا، جب ۱۹۲۴ء میں عراقی حکومت کو مرزائیوں کے خدوخال کا پتا چلا تو غدارانہ سرگرمیوں کے باعث اُن سب کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ مرزا محمود نے جمعہ کے خطبہ مطبوعہ ''الفضل'' ۳۱ر اگست ۱۹۲۳ء میں اعتراف کیا ہے کہ ''عراق فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہایا اور میری تحریک پر سیکڑوں لوگ بھرتی ہوکر گئے۔''

مرزا محمود نے مصطفیٰ کمال کو قتل کرنے کے لیے اپنے ایک معتمد نوجوان مصطفی صغیر کا انتخاب کیا۔ اس کو انگریزی حکومت نے مرزا معراج الدین سپرنٹنڈنٹ سی آئی ڈی کے ہمراہ ترکی روانہ کیا۔ لیکن وہ اقدام قتل سے پہلے پکڑا گیا اور پھانسی پا گیا۔ میر محمد سعید حیدرآبادی مکہ مکرمہ میں قادیانی مشن کا انچارج تھا اور وہاں برطانوی محکمۂ جاسوسی کے ایک اہم عہدیدار کرنل ٹی ڈبلیو لارنس کی ہدایت پر کام کرتا تھا لیکن جب عربوں کو پتا چلا تو اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہوگیا۔ شام میں جلال الدین شمس کو مقرر کیا گیا۔ لیکن جب اہل شام کو معلوم ہوا کہ یہ برطانوی جاسوس ہے تو ۲۷ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو اس پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن وہ بچ گیا۔ آخر عراق میں برطانوی گرفت ڈھیلی پڑنے پر ۲۷ر مارچ ۱۹۲۸ء کو حیفہ آ گیا۔ اس کے بعد برطانوی سرکار کی ہدایت پر فلسطین کو قادیانی کارندوں کا ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ وہاں برطانیہ کی جاسوسی کے محکمہ کا افسرِ اعلیٰ ایک یہودی تھا۔ قادیانی مشن اس کے ماتحت کیا گیا اور یہی قادیانیت یہودیت کے درمیان گٹھ جوڑ کا آغاز تھا۔ لائیڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے فلسطین میں قادیانی

خدمات کا کھلم کھلا اعتراف کیا۔۱۹۲۲ء میں مرزا محمود خود فلسطین گیا اور اعلان کیا کہ یہودی اس خطے کے مالک ہوجائیں گے۔

آغا شورش کاشمیریؒ کی اس تحریر کی تصدیق ”تاریخ احمدیت“ جلد پنجم میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

”یہ سفر ۱۹۲۴ء میں کیا گیا،۱۹۲۲ء میں نہیں۔تاریخ احمدیت میں بھی یہی تاریخ درج ہے۔حضور فرماتے ہیں کہ دودن کے قیام کے بعد ہم دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔مگر چونکہ راستے میں بیت المقدس پڑتا تھا۔مقاماتِ انبیاء کو دیکھے بغیر آگے جانا مناسب نہ تھا۔دودن کے لیے وہاں ٹھہر گئے۔یہودی قوم کی قابل رحم حالت جو یہاں نظر آتی ہے،کہیں اور نظر نہیں آتی۔بیت المقدس کا سب سے بڑا معبد جسے پہلے مسیحوں نے یہودیوں سے چھینا تھا۔بعد میں مسلمانوں نے اسے مسجد بنادیا تو اس دیوار کے ساتھ کھڑے ہوکر ہفتہ میں دودن برابر دوہزار سال سے یہودی روتے چلے آتے ہیں۔جس دن ہم اس جگہ کو دیکھنے کے لیے گئے وہ دن اتفاق سے اُن کے رونے کا تھا۔عورتوں اور مردوں،بوڑھوں اور بچوں کا دیوار کے پیچھے کھڑے ہوکر بائبل کی دعائیں پڑھ پڑھ کر اظہار عجز کرنا ایک نہایت افسردہ کن منظر تھا۔

وہاں کے بڑے بڑے مسلمانوں سے ملا ہوں۔میں نے دیکھا کہ وہ مطمئن ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہودیوں کو نکالنے میں کامیاب ہوجائیں گے مگر میرے نزدیک ان کی رائے غلط ہے۔یہودی قوم اپنے آبائی ملک پر قبضہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔قرآن شریف کی پیش گوئیوں اور حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ضرور اس ملک میں آباد ہونے میں کامیاب ہوجائیں گے۔پس میرے نزدیک مسلمانوں کا یہ اطمینان بالآخران کی تباہی کا موجب ہوگا“(تاریخ احمدیت،جلد پنجم،مؤلفہ دوست محمد شاہد ص ۴۱۰،۴۱۱)

مرزا محمود کی پُراسرار ملاقاتیں:

مرزا محمود کے دورۂ فلسطین کے وقت سر ہربرٹ سیموئیل (۱۸۷۰ء۔۱۹۶۲ء) ہائی کمشنر فلسطین تھا جو یہودی برادری کا سربراہ سمجھا جاتا تھا۔کچھ عرصہ بعد یہی شخص ”وائی کونٹ شیموئیل“ کہلایا۔اُن دنوں یہ شخص فلسطین کی بجائے لندن گیا ہوا تھا اور اس کی جگہ ایک دوسرے یہودی سر گلبرٹ کلنٹن کام کررہے تھے۔اس شخص کے بارے میں تاریخ بتاتی ہے کہ مصری انٹیلی جنس کا سربراہ لارنس آف عریبیہ کا بڑا قابل اعتماد دوست اور معاون تھا۔یہی شخص فلسطین پر فوجی تسلط جمانے والے جنرل ایلن بی کا مشیر خاص بھی تھا۔جس کی تمام تر کوشش کا مرکز اور محور عربوں کو ترکوں کے خلاف اکسانا اور ترکوں کے خلاف بغاوت کی فضا قائم کرنا تھا۔اس شخص نے پورے مشرقِ وسطیٰ میں جاسوسی کا جال بچھایا ہوا تھا۔عربوں کے ساتھ جھوٹے وعدے کرکے انھیں اپنے جال میں پھنسانے کا مکروہ کردار اسی شخص کا تھا۔مرزا محمود نے فلسطین میں جاتے ہی اس شخص سے طویل ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔اس کے علاوہ یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ یہودیوں کے رہنما بن گوریاں اور ان کی سیاست خارجہ کے صدر ڈاکٹر آٹر لوسوروف نے فلسطین کے اندر مرزا محمود کی سرگرمیوں میں گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔مرزا محمود اور کلنٹن کے ساتھ ملاقاتوں اور خفیہ سرگرمیوں اور یہودیوں کے ساتھ مرزا محمود کی سیاسی پخت وپز کا اندازہ مرزا محمود کے درج ذیل بیان سے لگایا جاسکتا ہے:

''فلسطین کے گورنر ہائی کمشنر کہلاتے ہیں۔ اصل ہائی کمشنر آج کل ولایت گئے ہوئے ہیں۔ ان کی جگہ سر گلبرٹ کلنٹن کام کررہے ہیں۔ میں ان سے ملا تھا۔ ایک گھنٹہ تک ان سے مکمل معاملات کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ سر کلنٹن صاحب کو پہلی ملاقات میں ہمارے سلسلے سے بہت ہی دلچسپی ہوگئی اور گو ہم نے دوسرے دن روانہ ہونا تھا مگر انھوں نے اصرار کیا کہ ڈیڑھ بجے ہم اُن کے ساتھ کھانا کھائیں۔ چنانچہ ڈیڑھ گھنٹے تک دوسرے دن بھی اُن سے ملاقات ہوتی رہی اور فلسطین کی حالت کے متعلق بہت سی معلومات مجھے اُن سے حاصل ہوئیں۔'' (تاریخ احمدیت، جلد پنجم، ص۴۱۱)

دمشق میں مسلمانوں کا احتجاج:

دمشق میں کئی قادیانی جنگ عظیم اوّل کے آغاز سے سرگرم سازش تھے۔ ان قادیانیوں کا سربراہ اور سرخیل ولی اللہ زین العابدین تھا۔ جس کا ذکر پہلے بھی کئی جگہوں پر ہو چکا ہے۔ دمشق پہنچ کر مرزا محمود نے ''سنٹرا ل ہوٹل'' میں ڈیرہ جمایا اور قادیانی مریدوں کے ذریعے ایک سیاسی نوعیت کا پمفلٹ طبع کرا کے وسیع پیمانے پر تقسیم کرایا۔ اس پر دمشق کے مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا۔ ان واقعات کو الٰہی نشان قرار دیتے ہوئے مرزا محمود لکھتے ہیں:

''دمشق میں گئے تو اوّل تو ٹھہرنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ مشکل سے انتظام ہوا مگر دو دن تک کسی نے توجہ نہ کی۔ میں بہت گھبرایا اور دعا کی کہ اے اللہ! پیش گوئی جو دمشق کے متعلق ہے کس طرح پوری ہوگی۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوسکتا کہ ہم ہاتھ لگا کر واپس چلے جائیں تو اپنے فضل و کرم سے کامیابی عطا فرما۔ جب میں دعا کر کے سویا تو رات کو یہ الفاظ میری زبان پر جاری ہوگئے۔ ''عبدٌ مکرم'' یعنی ہمارا بندہ جس کو عزت دی گئی۔ اس سے میں نے سمجھا کہ تبلیغ کا سلسلہ یہاں کھلنے والا ہے۔ چنانچہ دوسرے ہی دن جب اٹھے تو لوگ آنے لگے۔ یہاں تک کہ صبح سے رات بارہ بجے تک دو سو سے لے کر بارہ سو تک لوگ ہوٹل کے سامنے کھڑے رہے۔ اس سے ہوٹل والا ڈر گیا کہ فساد نہ ہوجائے۔ پولیس بھی آ گئی اور پولیس افسر کہنے لگا کہ فساد کا خطرہ ہے۔ میں نے یہ دکھانے کے لیے کہ لوگ فساد کی نیت سے نہیں آئے مجمع کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ چند ایک نے گالیاں بھی دیں لیکن اکثر نہایت محبت کا اظہار کرتے اور ھذا ابن مہدی کہتے اور سلام کرتے مگر باوجود اس کے پولیس والوں نے کہا کہ اندر بیٹھیں ہماری ذمہ داری ہے اور اس طرح ہمیں اندر بند کر دیا گیا۔ اس پر ہم نے برٹش قونصل کو فون کیا۔ اس پر ایسا انتظام کر دیا گیا کہ لوگ اجازت لے کر اندر آتے۔'' (تاریخ احمدیت، جلد پنجم، ص۴۱۲)

قادیانی طائفے کی دمشق میں آمد اور پمفلٹ کی وسیع پیمانے پر تقسیم کے خلاف مسلمانوں کی تحریک احتجاج نے شدت اختیار کر لی۔ مسلمانوں نے فرانسیسی کمشنر جنرل میکم ریگان سے پُر زور مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو دمشق سے نکالا جائے اور اس شر انگیز پمفلٹ کو ضبط کیا جائے۔ برطانوی قونصل مقیم دمشق قادیانیوں کی پشت پر تھا۔ اس نے مرزا محمود کو ہائی کمشنر سے ملاقات کا مشورہ دیا اور اس سلسلے میں اُس نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کیا، لیکن اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔

یہ ہیں وہ ''خدمات''، جس پر قادیانی جشن منا رہے ہیں۔　　　(جاری ہے)